تذکار

دارالاقبال بھوپال میں اقبالؒ کا ورودِ مسعود

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

ممنون حسن خاں

"شیش محل" میں صرف مقتدر و معزز شخصیتیں ہی قیام کرتی تھیں، ورنہ عموماً یہ محل مقفل رہتا تھا۔ محل کی تاریخ میں اب پہلی بار اُسے حکیم الامت اور مفکرِ مشرق ایسی باعظمت شخصیت کے مکین ہونے کا شرف ہی حاصل نہیں ہُوا بلکہ اس کی شان و عظمت بھی دوچند ہُوئی، اور اُن شاہکار تخلیقات سے جو اقبالؒ نے "شیش محل" کے قیام کے دوران کہیں اُسے تاریخی حیثیت بھی حاصل ہوگئی۔ یہی وہ "شیش محل" ہے جس کے قیام کے دوران اقبالؒ اپنے عزیز ترین دوست راس مسعود کی ہمہ وقت رفاقت اور نواب صاحب کی خصوصی توجہات سے فیضیاب ہُوئے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں اُنھوں نے فرصت و آسودگی کے بہترین لمحات بسر کیے، اور یہی وہ مقام ہے جہاں اُنھوں نے قرآنِ مجید کے حواشی لکھنے کے لیے باقاعدہ کام کا آغاز کیا۔ ریاست بھوپال کا یہ فخر بے جا نہیں کہ اُس نے اقبالؒ ایسے آفاقی شاعر کو جسم و جاں کی راحتوں کا سامان ہی مہیا نہیں کیا، فکر و تحقیق کے نئے گوشے اُجاگر کرنے کے مواقع بھی بہم پہنچائے۔"

'اقبالؒ اور بھوپال' از صہبا لکھنوی
صفحہ: ۱۴۳/۱۴۴

اقبال نے بھوپال کو "دارالاقبال بھوپال" کہا ہے۔ بھوپال کو یہ سعادت حضرت علامہ کے قیامِ بھوپال کے تعلق کی وجہ سے ہی نصیب ہوئی۔ اسی تعلق کی بنا پر اور اُن لافانی عظیم نظموں کی بدولت جو حضرت علامہ نے بھوپال میں تخلیق کی تھیں، بھوپال کا نام عالمی ادب کی تاریخ میں سنہرے الفاظ میں لکھا جاتا رہے گا۔

یوں تو بھوپال مدتِ دراز سے علم و ادب کا گہوارہ رہا اور بھوپال کے نامور عالموں، ادیبوں اور شاعروں نے کارہائے نمایاں انجام دیئے لیکن جب حضرت علامہ کے مبارک قدم بھوپال کی مردم خیز زمین پر پڑے تو ان کی برکت سے اس کا اقبال پوری طرح چمکا اور اس اقبال مندی کی بدولت سرزمینِ بھوپال ایک نہایت روشن ستارے کی طرح ہندوستان کے اُفق پر جگمگانے لگی۔ فیض کے الفاظ میں ؎

سنسان راہیں خلق سے آباد ہو گئیں

ویران میکدوں کا نصیبہ سنور گیا

"اللہ کی دین ہے جسے دے" میری خوش نصیبی ملاحظہ فرمایئے کہ جب بھی حضرت علامہ نے بغرض علاج بھوپال میں قیام فرمایا مجھے ان کی خدمت گرامی میں بطور ایک سفیر گوش حاضر رہنے کا شرف حاصل رہا اور مَیں نے ان کی قلندرانہ ادائیں اور سکندرانہ جلال اُن کا سوز اور ان کی حقیقت بیں نگاہ اور ان کی شعری کاوش کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ یہ عزت مجھے میرے محسن سیدو الاگہر سرسیّد ثانی ڈاکٹر راس مسعود کی بدولت حاصل ہوئی تھی جن کا مَیں بھوپال میں معتمد خاص تھا اور جن کی ہدایت کے مطابق مَیں اُن باتوں کو لکھ لیا کرتا تھا جو اقبال کی مجلسوں میں ہوتی تھیں۔ یہاں یہ بات میں بالکل صاف کر دینا چاہتا ہوں کہ حضرت علامہ اقبال سے میرا

وہی کفش برداری کا رشتہ تھا جو ان کے خاص ملازم علی بخش صاحب کا تھا۔ اس سے زیادہ کسی طرح بھی میرا درجہ ان کے مقابلہ میں نہیں تھا۔ اس میں کسی کو بھی کوئی غلط فہمی نہ ہونا چاہیے۔

اپنی "مہتاب سے تابندہ تر" زندگی کے آخری ایام میں جب اقبال ۱۹۳۵ء اور ۱۹۳۶ء کے درمیان تین بار بھوپال بغرض علاج تشریف لاتے اور ریاض منزل اور شیش محل میں قیام فرمایا، اُن ہی کے اپنے الفاظ میں وہ آلام اور مصائب میں گرفتار تھے۔ ایک طرف خطرناک علالت اور دوسری طرف ہر طرح کے تفکرات۔ راس مسعود کو ان باتوں کا شدید احساس تھا۔ راس مسعود ہی ایک ایسے واحد شخص تھے جو اقبال سے کھل کر بات کر سکتے تھے۔ اقبال کی خطرناک بیماری اور اُن آلام اور مصائب کے پیش نظر اہم سوال یہ تھا کہ اگر حضرت علامہ کو اقتصادی تفکرات سے جلد از جلد کسی حد تک نجات نہ دلائی گئی تو وہ اس عظیم الشان کام کو قدرے سکونِ قلب کے ساتھ کس طرح انجام دے سکیں گے جو اُن کے ذہن میں تھا یعنی قرآنِ حکیم کے متعلق وہ کتاب جس کو وہ عالمِ انسانیت کی خدمت میں بطور اپنے آخری تحفے کے پیش کرنا چاہتے تھے۔ نواب حمید اللہ خان اور سید راس مسعود اچھی طرح جانتے تھے کہ اس وقت سارے عالمِ اسلام میں اقبال ہی وہ دانائے راز تھے جو کتابِ زندہ کی حقیقتِ لایزال کو فلسفۂ جدید کی روشنی میں دنیا کے سامنے پیش کر سکتے تھے۔ اقبال اس کتاب کو لکھنے کے لیے بہت بے چین تھے۔ آخر کار حضرت علامہ نے نواب حمید اللہ کی پیشکش منظور فرمائی۔

پانچ سو روپیہ ماہوار کا یہ علمی وظیفہ یکم جون ۱۹۳۵ء سے جاری ہوا تھا اور ۲۰ اپریل ۱۹۳۸ء کو ختم ہو گیا۔ اس قلیل رقم کے علاوہ حضرت علامہ نے اور کوئی مالی مدد کسی سے بھی لینا منظور نہیں فرمایا تھا۔ اقبال نے اس دوران باوجود اپنی علالت کے کتاب مذکور کا کچھ خاکہ تیار کر لیا تھا۔ اس سلسلہ کے دو ایک نوٹس انہوں نے مجھے شیش محل میں لکھوائے بھی تھے۔ کچھ مخطوطات کو دیکھنے کے لیے وہ مشرق وسطیٰ اور کیمبرج بھی جانا چاہتے تھے لیکن بیگم اقبال کی وفات اور اپنی مسلسل علالت کی وجہ سے وہ ہندوستان سے باہر تشریف نہ لے جا سکے اور آخر کار ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو انتقال فرما گئے۔

اقبال بغرضِ علاج تین بار بھوپال تشریف لائے۔ پہلی بار انہوں نے ریاض منزل میں سید راس مسعود کے ساتھ قیام فرمایا تھا اور دوسری اور تیسری بار ان کا قیام شیش محل

میں رہا تھا۔ اپنی علالت اور اپنی علمی اور شعری کاوشوں کے باوجود جس میں وہ علاج کے اوقات کو چھوڑ کر مشغول رہتے تھے، حضرت علامہ بھوپال میں ہر اس شخص سے ملتے تھے جو ان کی خدمت میں حاضری دیتا تھا۔ بھوپال میں میرے ساتھ وہ کئی بزرگوں اور عالموں کے مزارات پر فاتحہ خوانی کے لیے تشریف لے گئے۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کے بعد وہ دیر تک خاموش کھڑے رہے۔ مجھ سے فرمایا:

"اگر بجنوری کو اللہ عمر دراز عطا کرتا تو وہ اپنی خداداد قابلیت سے دنیائے علم وادب میں انقلاب پیدا کر دیتا۔"

بھوپال میں چونکہ میں بطور ان کے کفش بردار کے اقبال کی خدمتِ اقدس میں حاضر رہتا تھا، میں ان کی الہامی صحبتوں میں بھی برابر موجود رہتا تھا، میں نے ان کی زبان مبارک سے تقریباً ان تمام نظموں کو سنا جو انہوں نے بھوپال میں اپنے قیام کے دوران تخلیق فرمائی تھیں۔ سید راس مسعود ہی ایسے واحد شخص تھے جو ان سے ان نظموں کو سنانے کی فرمائش کر سکتے تھے، وہ ان کو اقبال کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ اس سے زیادہ میری خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی تھی کہ چند اشعار حضرت علامہ نے مجھے بھی لکھوائے تھے جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ یہ دیکھ کر سید راس مسعود نے اقبال سے کہا تھا:

"اقبال یہ لڑکا تو تمہارا ایکرمان بنتا جا رہا ہے۔"

حضرت علامہ کی فیضانی صحبتوں میں وہ سب نامی گرامی حضرات شامل ہوتے تھے جو ان کی مزاج پرسی کے لیے باہر سے بھوپال آتے تھے مثلاً ڈاکٹر ذاکر حسین، ڈاکٹر عابد حسین، پروفیسر سیدین صاحب، ڈاکٹر ہادی حسن، ڈاکٹر ظفر الحسن، مولوی عبدالحق بابائے اردو، سر تیج بہادر سپرو، محترمہ سروجنی نائیڈو، مسٹر غلام محمد، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا شوکت علی وغیرہ۔

اب دو تین فیضانی صحبتوں کا حال سنیے۔ ریاض منزل میں اقبال نے ایک محفل میں اپنی وہ نظم سنائی جس کا عنوان ہے "سلطانی"۔ اس نظم کا ایک شعر ہے:

خودی کو جب نظر آتی ہے قاہری اپنی
یہی مقام ہے کہتے ہیں جس کو سلطانی

راس مسعود اس شعر کو بار بار پڑھنے لگے اور فلسفۂ خودی پر گفتگو شروع ہو گئی، جس میں عابد حسین اور سیدین نے نمایاں حصہ لیا۔ آخر میں اقبال نے اپنا ایک شعر پڑھا:

دلبری بے قاہری جادوگریست
دلبری با قاہری پیغمبریست

ریاض منزل شہر سے ذرا باہر نہایت پرفضا مقام پر واقع ہے۔ اس کوٹھی کے بالکل سامنے بھوپال کا بڑا تالاب ہے۔ ایک رات اقبال ریاض منزل میں رونق افروز تھے۔ سر راس مسعود ہی اور علی بخش ان کی خدمت میں حاضر تھے علامہ اس رات بہت خوشگفتہ موڈ میں تھے فرمایا:

"بھوپال بہت خوبصورت شہر ہے۔ حُسن سے لطف اندوز ہونے کے لیے حقیقت بیں نظر کی ضرورت ہے۔"

پھر کافی دیر خاموش رہنے کے بعد دو شعر مجھے لکھوائے اور پھر سید راس مسعود کو وہ پوری نظم سنائی جس کا عنوان ہے "نگاہ" اور جس کا آخری شعر ہے:

نگاہ ہو تو بہائے نظارہ کچھ بھی نہیں
کہ بیچتی نہیں فطرت جمال و زیبائی

بھوپال سے متعلق اقبال کی اس نظم نے تاریخ ادب میں بھوپال کو اسی طرح امر بنا دیا جس طرح گوتے نے وئیمر کو بنایا ہے۔

سید راس مسعود نے بھوپال میں کالی داس کے ڈراموں کو اردو میں ترجمہ کرانے کا کام شروع کرایا تھا۔ ایک طرح کی سنسکرت اکادمی بنائی گئی تھی۔ سب سے پہلے میگھ دوت کا ترجمہ کیا جا رہا تھا۔ ایک دن ریاض منزل میں بڑے بڑے پنڈت اور رشی جمع تھے۔ حضرت علامہ بھی تشریف فرما تھے۔ سنسکرت سے اردو میں ترجمے کی مشکلات کا ذکر چھڑ گیا۔ سر راس مسعود کی فرمائش پر میں نے حاضرین جلسہ کو علامہ کی وہ نظم سنائی جس کا عنوان ہے "آفتاب" علامہ نے فرمایا:

"رشی ستری جی تو یہی کہیں گے کہ یہ گایتری منتر نہیں ہے کیونکہ گایتری کے سنسکرت الفاظ کا اردو میں ترجمہ کرنا تقریباً ناممکن ہے۔"

پھر فرمایا:

"اس نظم کے بعض الفاظ پر تو میرے لیے کفر کا فتویٰ صادر کر دیا گیا۔"

راس مسعود نے قہقہہ لگایا اور علامہ کا یہ مصرع پڑھا:

"زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا"

ایک دن صبح کے وقت اقبال شیش محل کے سامنے والے میدان میں ٹہل رہے تھے۔ اس تاریخی میدان کے چاروں طرف مساجد ہیں۔ میں علامہ کے ساتھ تھا یکایک علامہ بہت بے چین

نظر آتے۔ فرمایا! اندر چلو۔ شیش محل میں پہنچ کر وہ اپنے پلنگ پر بیٹھ گئے اور کافی دیر تک بالکل خاموش رہنے کے بعد یہ دو شعر لکھوائے :

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

جب راس مسعود تشریف لائے تو میں نے علامہ کی موجودگی میں ان کو یہ اشعار سنائے راس مسعود نے کہا :

"یہ حقیقت ہے لیکن افسوس اب تو اذاں کی صرف رسم باقی رہ گئی ہے۔"

اور پھر اقبال کا یہ شعر پڑھا :

تری نماز میں باقی جلال ہے نہ جمال
تری اذاں میں نہیں ہے مری سحر کا پیام

۴ اپریل ۱۹۳۶ء کو جب اقبال شیش محل میں مقیم تھے میں صبح کے وقت حسب معمول اُن کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، فرمایا :

"تم اچھے آ گئے مجھے تمہارا انتظار تھا۔ رات میں نے مسعود کے دادا سید احمد خاں کو خواب میں دیکھا۔ انہوں نے مجھ سے کہا۔ میں حضور رسالتمآبؐ کی خدمت اقدس میں اپنی صحت کے لیے عرضداشت پیش کروں۔ میری آنکھ کھل گئی۔ میری زبان پر یہ شعر تھا :

با پرستارانِ شب دارم ستیز
باز روغن در چراغِ من بریز

میں نے اُسی وقت حضور رسالت مآبؐ کی خدمت میں بطور نذرانۂ عقیدت اشعار لکھنا شروع کر دیئے۔"

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔ میں نے اُن کو اتنا بے چین کبھی نہیں دیکھا تھا۔ عجب کیفیت طاری تھی ان کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں تھیں۔ کافی دیر تک بالکل خاموش رہنے کے بعد انہوں نے مجھ سے فرمایا :

"میرے پاس بیٹھ جاؤ اور جو میں بولتا جاؤں لکھتے جاؤ۔"

انہوں نے مجھ سے کئی شعر لکھواتے۔ وہ بہت آہستہ آہستہ نہایت کمزور آواز میں اشعار بول رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نور کی بارش ہو رہی ہے۔ اشعار خود بخود نازل ہو رہے تھے۔ پھر ان کی آواز تقریباً بند ہو گئی اور وہ اس قدر روئے کہ رخسار آنسوؤں سے تر ہو گئے۔ کافی دیر کے بعد فرمایا:

"اب اس وقت تم جاؤ اور جو کچھ تم نے لکھا ہے اس کو میرے سرہانے رکھ دو۔"

ایک دن شیش محل میں سید راس مسعود، عابد حسین، سید دین، شعیب قریشی اور یہ خاکسار علامہ کی خدمت میں حاضر تھے عظمتِ آدم کا ذکر چھڑ گیا۔ علامہ نے آنکھیں نیم وا کرتے ہوئے کہا:

"انسان کی منزل تو منزلِ کبریا ہے۔"

اس پر راس مسعود نے اقبال کا یہ شعر پڑھا:

شعلۂ درگیر زد بر خس و خاشاکِ من
مرشدِ رومی کہ گفت منزلِ ما کبریاست

عابد حسین نے کہا فاؤسٹ نے بھی ابلیس سے یہ پیمان کیا تھا کہ اگر میں کسی لمحے کو مخاطب کر کے کہوں کہ ٹھہر جا تو، کتنا حسین ہے تو تجھے اختیار ہے کہ مجھے طوق و سلاسل میں جکڑ کر قعرِ مذلت میں دھکیل دے۔ راس مسعود نے پھر علامہ کا یہ مصرع پڑھا:

"سر منزل نہ دارم کہ بمیرم از قرارے"

اقبال نے کہا مسعود تم کو تو میرے بہت سے فارسی اشعار یاد ہیں۔

غرض کس کس بات کا ذکر کروں یہ داستان تو بہت طویل ہے۔ یہ تو میرے عشق کا قصہ ہے جو ایک دفتر میں بھی نہیں سما سکتا۔

اقبال کے دورانِ قیام بھوپال ان کی فیضانی مجلسوں میں بڑی عالمانہ باتیں ہوتی رہتی تھیں۔ خودی اور بے خودی، عشق اور عقل، تصورِ زمان و مکاں، حیات اور مرگ، جبر اور اختیار، حکومت اور ریاست، بندہ اور خدا غرض اس طرح کے عظیم مسائل زیرِ بحث آتے تھے۔ علامہ زیادہ تر تو خاموش رہتے لیکن اپنی ناسازیِ طبع کے باوجود وہ جب ان مسائل کے بعض اہم نکات آہستہ آہستہ بہت دھیمی آواز میں بیان کرتے تو ان کے علم کا اندازہ لگانا کم از کم میرے لیے ناممکن تھا۔ راس مسعود ان کی باتوں کو سن کر اقبال ہی کا یہ شعر ان کو سنایا کرتے تھے۔

دارالاقبال بھوپال میں اقبالؒ کا ورودِ مسعود

خرد افروز مرا در سرِ یکمانِ فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبتِ صاحب نظراں

۳۱ جولائی ۱۹۳۷ء کو بھوپال میں سید والا گہر سر سید ثانی سر راس مسعود کا انتقال ہو گیا۔ ان کے جسدِ خاکی کو حسن محمد حیات صاحب اور میں نے علی گڑھ لے جا کر یونیورسٹی مسجد میں سر سید اور سید محمود کی قبروں کے درمیان دفن کیا۔ راس مسعود کی رحلت کا اقبال کو نا قابلِ بیان رنج ہوا۔ اقبال نے ۷ اگست ۱۹۳۷ء کو مجھے حسب ذیل خط لکھا:

ڈیئر ممنون صاحب

مسعود مرحوم کے کتبۂ مزار کے لیے میں نے حسب ذیل رباعی انتخاب کی ہے:

نہ پیوستم دریں بستاں سرِ اول
زبندِ ایں و آں آزادہ رفتم
چو بادِ صبح گردیدم دمے چند
گلاں را رنگ و آبے دادہ رفتم

یہ رُباعی میں نے اپنے کتبۂ مزار کے لیے لکھی تھی۔ لیکن تقدیرِ الٰہی یہ تھی کہ مسعود مرحوم مجھ سے پہلے اس دنیا سے رخصت ہو جاتے حالانکہ عمر کے اعتبار سے مجھ کو ان سے پہلے جانا چاہیے تھا اس کے علاوہ رباعی کا مضمون مجھ سے زیادہ اُن کی زندگی اور موت پر صادق آتا ہے۔

لیکن اگر ایک ہی مطلع اُن کے سنگِ مزار پر لکھنا ہو تو مندرجہ ذیل شعر میرے خیال میں بہتر ہو گا:

اے برادر من ترا از زندگی دادم نشاں
خواب را مرگِ سبک جاں مرگ را خوابِ گراں

باقی خیریت ہے مسعود کا غم باقی رہے گا جب تک میں باقی ہوں۔ میرے پہلے خط کا مفصل جواب دیجیے۔

محمد اقبال

اقبال نے سنگِ مزار کے سلسلہ میں سیدین کو بھی لکھا۔ طے یہ کیا گیا کہ رُباعی سنگِ مزار پر کندہ کرائی جائے۔

۲۳ اگست ۱۹۳۷ء کو اقبال نے مجھ کو پھر ایک مکتوب ارسال فرمایا جس کا اقتباس

حسبِ ذیل ہے:

"مسعود مرحوم کی وفات پر جو اشعار میں نے لکھے تھے وہ آج میں نے رسالہ "اردو" میں چھپنے کے لیے حیدر آباد دکن بھیج دیے ہیں۔ مدیر رسالہ مولوی عبدالحق، مسعود نمبر نکالنے والے ہیں۔ آپ کو یہ رسالہ بھوپال میں مل جائے گا خود بھی پڑھیے اور لیڈی مسعود کو بھی سنا دیجئے۔"

اس تاریخی نوحہ کا صرف ایک شعر پیش ہے:

زوالِ علم و ہنر مرگ ناگہاں اس کی
وہ قافلے کا متاعِ گراں بہا مسعود

میری خوش بختی اور اُن کی خادم نوازی ملاحظہ فرمایئے کہ شاعرِ مشرق دانائے راز حضرت اقبال مجھ پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔ ان کو میرے مستقبل کی بہت فکر تھی۔ ۱۹ اپریل ۱۹۳۸ء کو یعنی اپنے انتقال سے دو روز قبل تک حضرت علامہ نے مجھ کو یاد رکھا۔ شاید میرے نام ان کا یہ خط اُن کا آخری خط تھا۔ اس کے بعد انہوں نے کسی کو کوئی خط نہیں لکھا۔

تقریباً ۲۵ سال سے میں اس کوشش میں تھا کہ بھوپال میں اقبال کی یادگار قائم کرائی جائے آخر کار رب العزت کی بارگاہ سے یہ دعا قبول ہوئی۔ بھوپال میں اقبال کے شایانِ شان یادگاریں قائم کی گئی ہیں اس کام میں بھوپال کے ایک لائق فرزند جناب عزیز قریشی ایم۔ پی نے نمایاں حصہ لیا۔ حکومت مدھیہ پردیش کی اس ادب نواز سیکولر پالیسی کی جس قدر تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ اس سیکولر حکومت کے سابق وزیر اعلیٰ جناب ارجن سنگھ نے یہ احکام جاری کیے تھے کہ کوشش محل کے سامنے والے میدان کا نام اقبال میدان رکھا جائے۔ بھوپال ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے ذریعہ اس میدان میں ایک نہایت حسین پھول پارک تعمیر کرا کے وہاں ایک شاندار اقبال میموریل تعمیر کرایا جائے۔ اقبال ادبی مرکز قائم کیا جائے۔ اور اس مرکز کوشش محل کے وہ کمرے دیے جائیں جن میں اقبال نے قیام فرمایا تھا۔ مدھیہ پردیش کے موجودہ ادب نواز وزیر اعلیٰ شری موتی لال ووڑا نے اقبال کی یادگاروں کی ان اسکیموں کو اپنے سیکولر ادب نواز ذہنیت کا بہترین مظاہرہ کر کے نہایت عمدگی کے ساتھ مکمل کرایا ہے۔ اقبال میدان اور اس کا میموریل، ہندوستان میں اقبال کی نہایت شاندار یادگار ہے اور ہندوستان اور بیرونِ ہندوستان کے لوگ بھوپال آ کر اس کی زیارت کر رہے ہیں اور اس قومی یک جہتی کے سنگم کی تعریف کر رہے ہیں۔

مدھیہ پردیش کے موجودہ ادب نواز وزیر اعلیٰ شری موتی لال دورا نے میری درخواست پر ایک آل انڈیا اقبال ایوارڈ بھی منظور فرمایا ہے جو پچاس ہزار روپے سالانہ کا ہے۔ ان کی قومی یک جہتی کی کوششوں کا یہ ایک اور شاندار ثبوت ہے۔

ہماری مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے سیکولر کردار کا یہ جیتا جاگتا مظاہرہ تاریخ ادب میں سنہرے الفاظ میں لکھا جائے گا۔

حضرت علامہ اقبال کا ادنیٰ کفش بردار
ممنون حسن خان
صدر آل انڈیا علامہ اقبال ادبی مرکز۔ بھوپال
و صدر نشیں بھوپال ڈیولپمنٹ اتھارٹی

نوٹ :-
یہ مضمون ۲۱ اپریل ۱۹۸۶ء کو حیدر آباد میں منعقدہ "عالمی اقبال سیمینار" میں پڑھا گیا۔

ممنون حسن کا خط جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال کے نام

Phones 74567
76006
Humayun Manzil
Oppt; Fire Station
19, Sultania Rd;
BHOPAL (462001).
INDIA.

۲۹ جولائی ۱۹۸۶ء

عزیز القدر عزت مآب عالی مرتبت میاں جاوید سلمہٗ، سلام مسنون

بہت بہت دعائیں۔

مدت دراز سے خیریت نہیں معلوم ہوتی۔ فکر ہے۔ ذرا دو چار منٹ کا

وقت نکال کر اپنی اور جملہ متعلقین کی خیریت سے آگاہی بخشی جاتے۔ ممنونِ کرم تو ہمیشہ سے ہوں ہی اور زیادہ ممنون ہوں گا۔ خدا کرے آپ سب ہر طرح سے بخیریت اور خوشی و خرم ہوں۔

اس عریضہ کے ساتھ آپ کی خدمت میں اپنی اس تقریر کی ایک نقل ارسال کر رہا ہوں جو میں نے عالمی اقبال سیمینار حیدر آباد (دکن) میں دی تھی۔ شاید آپ کو پسند آتے۔ اگر آپ مناسب خیال فرمائیں اور کوئی حرج یا دشواری نہ ہو تو اس تقریر کو آپ پاکستان کے کسی اچھے رسالے میں شائع کرا دیں۔ ویسے یہ اس قابل تو نہیں ہے کہ اس کی اشاعت کی جاتے لیکن چونکہ حضرت علامہ کی چند فیضانی صحبتوں کا اس میں ذکر ہے اس لیے شاید پاکستان میں یہ پسند کی جاتے۔ غالباً "نقوش" میں آپ کی مدد سے یہ تقریر چھپ سکتی ہے۔ اگر ذرا بھی دقت ہو شائع کرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

آپ اپنی مصروفیت کی وجہ سے گزشتہ اپریل ۸۶ء میں تو ادبی سیمینار میں ہمارے پاس بھوپال میں تشریف نہ لا سکے جس کا مجھے اور بھوپال میں تمام علم دوست حضرات کو بہت افسوس ہے۔ حیدر آباد والے بھی بہت افسوس کرتے تھے کہ وہاں عالمی سیمینار میں آپ شرکت نہ کر سکے۔ اب آپ سے میری دست بستہ گزارش ہے کہ آپ بھوپال نومبر ۸۶ء میں ضرور تشریف لائیں۔ اقبال ادبی مرکز یہاں ۸، ۹ اور ۱۰ نومبر کو ایک بڑا سیمینار منعقد کرا رہا ہے۔ مظفر حسین برنی صاحب اور دیگر ماہرین اقبالیات اس سیمینار میں شرکت کریں گے۔ میں آپ کو بہت پہلے اس کی اطلاع دے رہا ہوں۔ کسی نہ کسی طرح میری خاطر آپ کو یہاں اس ادبی جلسہ میں تشریف لانے کی تکلیف اٹھانا ہی پڑے گی۔ اگر آپ نے انکار کیا تو مجھے خود اس عالم پیری میں آپ کو یہاں لانے کے لیے لاہور آنا پڑے گا۔ عمر بانی مطلع فرمائیں کہ کیا آپ ہماری خاطر یہ تکلیف اٹھانا منظور فرماتے ہیں۔ آپ کے جواب آنے پر دعوت نامہ اور دیگر کاغذات سیمینار کے مضمون وغیرہ کے متعلق آپ کی خدمت میں باقاعدہ ارسال کروں گا۔ آپ کے پروٹوکول کا پورا پورا لحاظ رکھا جاتے

گا۔ اگر گورنمنٹ آف انڈیا کی منظوری کی ضرورت ہوگی تو میں خود دہلی جا کر ضروری احکام جاری کراؤں گا۔ یہاں آپ ہماری گورنمنٹ کے مہمان ہوں گے جس طرح برنی صاحب بھی ہوں گے۔ اس ادبی تقریب میں مہاراشٹر کے گورنر جناب شنکر دیال شرما بھی شرکت کریں گے اور یوپی کے گورنر جناب عثمان عارف سے بھی درخواست کروں گا کہ وہ بھی شرکت فرمائیں۔ ہمارے مرکز کے ممبران ملک راج آنند، مالک رام، محترمہ قرۃ العین حیدر، جگن ناتھ آزاد، ڈاکٹر علی سردار جعفری، آل احمد سرور بھی سیمینار میں حصہ لیں گے اور مقالات پڑھیں گے حکومت مدھیہ پردیش نے جو آل انڈیا ایوارڈ پچاس ہزار روپے سالانہ کا جاری کیا ہے وہ بھی کسی ایک ماہرِ اقبالیات کو اس سیمینار میں دیا جائے گا۔ غرض کہ یہ ایک بڑا سیمینار ہوگا۔ اور آپ کی موجودگی سے اس تقریبِ سعید میں چار چاند لگ جائیں گے۔ مجھے آپ سے پوری امید ہے کہ اس بار آپ ہم سب کو اپنی موجودگی سے ممنونِ کرم فرمائیں گے۔ آپ کے جواب کا انتظار کروں گا۔ یہ تو بالکل ادبی سیمینار ہے۔ خداوند کریم آپ سے ایک بار تو میری ملاقات کرا دے۔ ہم تو اب مرزا کی طرح کہتے رہتے ہیں

"عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے۔"

پاکستان کے ایک صاحب نے مجھے ایک کتاب ارسال کی ہے جس کا عنوان ہے "خدوخالِ اقبال" اس کتاب کو محمد امین زبیری نے لکھا تھا جو مدت ہوئی مرحوم ہو گئے۔ اپنی زندگی میں تو وہ یہ "کارنمایاں" نہ کر سکے۔ لیکن ان کے صاحب زادے نے کسی صاحب کے ذریعہ اب یہ کارِ بد کرایا ہے

"اگر پدر نہ تواند پسر تمام کند"

کتاب کو پڑھنے سے مجھے بخار آ گیا۔ جعفر تو مر گیا لیکن اس کی روح زندہ ہے۔ افسوس کہ ملتِ اسلامیہ میں ایسے بدنفس اور کینہ پرور لوگ موجود ہیں۔ آپ نے شاید اس کتاب کو پڑھا ہوگا۔ اس میں ہر طرح حضرت علامہ کے بلند و بالا کردار کو مسخ کرنے کی ناکامیاب کوشش کی گئی ہے۔ ابھی یہ کتاب ہندوستان میں صرف میرے پاس ہے اور

انشاء اللہ میں اس کا جواب ضرور لکھوں گا اور پاکستان ہی میں شائع کراؤں گا۔ محمد امین زبیری مرحوم نے علامہ شبلی نعمانی مرحوم کے کردار پر بھی کچھ اسی طرح ناکامیاب حملہ کیا تھا۔ اور ایک کتابچہ شائع کیا تھا جس کا عنوان ہے "شبلی کی رنگین زندگی"۔ مہربانی کر کے مطلع فرمائیں کہ کیا محمد امین کی کتاب "خدوخال اقبال" آپ تک پہنچ گئی ہے یا نہیں اور پاکستان کے ادیب محمد امین صاحب مرحوم کی غلط بیانیوں کا جواب دے رہے ہیں یا نہیں۔ کتاب مذکور کی فوٹو اسٹیٹ کاپی میں بزمی کو بھی ارسال کر رہا ہوں اور وہ بھی انشاء اللہ اس بے ادبی اور غلط بیانی کا جواب شائع کریں گے۔

عزیزہ منیرہ سلمہا کی خیریت سے اطلاع دیجیے اور ان تک میری دعائیں اور پیار پہنچا دیا جائے۔ اپنی بیگم صاحبہ محترمہ اور بچوں کو منیرہ سلمہا کے شوہر نامدار اور بچوں کو بھی میری دعائیں پہنچا دی جائیں۔ اللہ ہمیشہ آپ سب کے ساتھ رہے!!

یہاں چند لوگ (مسلمان) میرے بھی پیچھے پڑ گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں نے اقبال میدان بنوا کر لاکھوں روپیہ ضائع کرا دیا اور یہ کہ حضرت علامہ سے میرا کوئی تعلق نہ تھا۔ بہرحال یہ تو آنے والا وقت ہی بتاتے گا کہ اقبال پارک اور اقبال مرکز بنوا کر اور اقبال ایوارڈ قائم کرا کر میں نے ملت اسلامیہ کی ایک ادنیٰ خدمت کی یا نہ کی۔ اور بھوپال کے نام کو تاریخ ادب میں زندہ جاوید کرا دیا یا نہیں۔ رہا میرے اس تعلق خاص کو جو علامہ سے جو علی بخش مرحوم کی طرح بطور ان کے ادنیٰ صفحہ گوشش اور کفش بردار کے تھا اور اس طرح جو روحانی رشتہ اب آپ کے اور عزیزہ منیرہ سلمہا کے ساتھ میرا ہے اس کو آپ سے زیادہ کوئی دوسرا نہیں جانتا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس کی تصدیق فرمائیں کہ حضرت علامہ کے ساتھ میرا تعلق خاص رہا تھا یا میں نے کسی غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس مسئلہ پر آپ ضرور روشنی ڈالیں گے جس کے لیے میں آپ کا ممنون کرم ہوں گا۔ والسلام

بخدمت جناب عزت مآب عالی مرتبت ڈاکٹر جاوید اقبال سلمہٗ۔

حضرت علامہ اقبال کا ادنیٰ کفش بردار
(ممنون حسن خان)

ہندوستان کے سب سے بڑے اور سب سے قدیم اخبار 'ہندو' میں اقبال میدان کے متعلق ایک مضمون شائع ہوا تھا اس کی بھی ایک فوٹوکاپی ملاحظے کے لیے ارسال کر رہا ہوں اور اقبال میدان کے افتتاح کے موقع پر جو بروشر شائع کیا گیا تھا اس کی بھی ایک کاپی ارسال خدمت کر رہا ہوں۔

ہندوستان اور بیرون ہند کے بڑے بڑے فن کاروں، مجسمہ سازوں اور ادیبوں نے اقبال میموریل کی جو تعریف کی ہے ان تمام کاغذات کی بھی فوٹو کاپیاں بنوا کر انشاء اللہ خدمت والا میں ارسال کروں گا۔ پاکستان میں بھی کئی اخبارات اور رسالوں نے اقبال میدان کی تعریف میں مضامین شائع کیے ہیں جو ملاحظہ سے گزرے ہوں گے۔ اس کے باوجود چند مسلمان حضرات یہاں میرے پیچھے پڑ گئے ہیں کہ میں نے یہ کام کر کے لاکھوں روپے ملیا میٹ کرا دیے ہیں اور حضرت علامہ سے میرا کوئی بھی تعلق نہیں تھا۔ اب آپ اس ستم ظریفی کو ملاحظہ فرمائیں۔ اور میرے لیے دعا فرمائیں کہ

مشکلیں امت مرحوم کی آساں کر دے

میرا عریضہ کافی طویل ہو گیا ہے اور میں بدخط بھی ہوں۔ بہت بہت معافی چاہتا ہوں۔

جواب کا انتظار رہے گا۔

حضرت علامہ کا ادنیٰ سفتہ گوش

ممنون

(ممنون حسن خاں عفی عنہٗ)

جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال کا خط

ممنون حسن خان کے نام

مکرمی و محترمی جناب ممنون حسن خان صاحب

سلام مسنون۔

آپ کا خط مورخہ ۲۹ جولائی ۱۹۸۶ء مع دیگر ملفوظات اور کاغذات

موصول ہوگیا جس کے لیے میری طرف سے بہت بہت شکریہ قبول فرمایئے۔
عالمی اقبال سیمینار جو حیدرآباد (دکن) میں ۲۱ اپریل ۱۹۸۶ء کو منعقد ہوا
میں آپ کا مقالہ میں نے غور سے پڑھا۔ مقالے میں آپ نے جس محبت
اور خلوص سے حضرت علامہ کی بھوپال میں چند فیضانی صحبتوں کا ذکر کیا ہے اس
سے کوئی بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مقالہ پڑھتے وقت کئی مقامات
ایسے آتے کہ میں اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا کیونکہ ایک دفعہ میں بھی حضرت
علامہ کے ساتھ بھوپال گیا تھا۔ اور شیش محل میں ان کے ساتھ ٹھہرا تھا
شیش محل کے سامنے میدان ہے جس کو اب آپ کی کوششوں سے اقبال
میدان کا نام دیا گیا، میرے بچپن کی یادیں وابستہ ہیں کیونکہ میں اسی
میدان میں جناب ڈاکٹر باسط (حضرت علامہ کے معالج) کے بچوں کے
ساتھ کھیلتا رہا ہوں۔ آپ نے اپنے مقالے میں اس خواب کا بھی
ذکر کیا ہے جس میں حضرت علامہ نے جناب سید راس مسعود کے دادا
سرسید احمد خان کو خواب میں دیکھا تھا۔ اس خواب کا ذکر حضرت علامہ نے جناب سید راس مسعود کے نام ایک
خط میں بھی کر رکھا ہے مثنوی پس چہ باید کرد" اسی خواب کے نتیجے میں تحریر کی
گئی دراصل حضرت علامہ نے سرسید احمد خان سے اپنی علالت اور مغدوری
کی شکایت کی تھی اور انہوں نے ارشاد فرمایا تھا کہ حضور رسالت مآب
کی خدمت اقدس میں اپنی صحت یابی کے لیے عریضہ اشت پیش کرو۔ خواب
ہی میں اشعار کا تلاطم امڈ آیا اور انہیں اشعار نے بعد میں مثنوی "پس چہ باید کرد"
کی صورت اختیار کی۔ اسی طرح مقالے میں آپ نے ریاض منزل میں بعض
صحبتوں کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک آدھ میں میں موجود تھا۔ آپ
کے مقالے کی حیثیت تاریخی ہے کیونکہ حضرت علامہ کو جاننے والی ہستیاں
رفتہ رفتہ اٹھتی چلی جا رہی ہیں۔ اسی سبب میں نے آپ کا یہ مقالہ پاکستان
کے ایک معروف روزنامہ "نوائے وقت" جو لاہور، کراچی، راولپنڈی اور
ملتان سے بیک وقت شائع ہوتا ہے، میں اشاعت کے لیے بھجوا دیا
ہے۔ اسی طرح اقبال اکیڈمی کے رسالہ "اقبال ریویو" میں بھی یہ مقالہ شائع
ہوگا۔ نوائے وقت اور اقبال ریویو میں آپ کی ارسال کردہ تاریخ تصویر یادگار

اقبال بھوپال کا قطعہ۔ اقبال میدان کے افتتاح کے موقع پر شائع شدہ بروشر اور یادگار اقبال کے سلسلے میں مینارِ شاہین کی تصاویر بمع اس انگریزی مضمون کے جو ہندوستان کے اخبار "ہندو" میں اس ضمن میں شائع ہوا، سب کی سب شائع کیے جائیں گے۔ اشاعت کے بعد میں انشاء اللہ ان کی نقول آپ کو ارسال کردوں گا۔

افسوس ہے میں حیدرآباد دکن والے عالمی اقبال سیمینار میں شریک نہ ہوسکا۔ اب آپ فرما رہے ہیں کہ ۸۔ ۹ اور ۱۰ نومبر ۱۹۸۶ء کو بھوپال میں اقبال ادبی مرکز ایک بہت بڑا سیمینار منعقد کر رہا ہے اور آپ کی خواہش ہے کہ میں اس ادبی جلسے میں شریک ہوں۔ مگر افسوس ہے کہ ان ایام میں چونکہ لاہور اور پاکستان کے دیگر شہروں میں بھی حضرت علامہ کی یاد میں تقاریب کے انعقاد کا اہتمام کیا جاتا ہے اس بنا پر میرے لیے بھوپال آسکنا ممکن نہیں۔ علاوہ اس کے ماہ نومبر ۱۹۸۶ء میں او۔ آئی۔ سی کے تحت اسلامی ورثے کے تحفظ کے سلسلے میں ایک ادارے کی میٹنگ کے لیے میرا استنبول (ترکیہ) جانے کا امکان ہے۔ اصل میں میری تو یہ کوشش ہے کہ ایسے ہی کسی موقعے پر اقبال اکیڈمی پاکستان کے ذریعے آپ کو مقالہ پڑھنے کے لیے لاہور بلوایا جائے تاکہ اس طرح نہ صرف ہماری آپس میں ملاقات ہوسکے بلکہ آپ عزیزہ منیرہ، اُن کے شوہر اور بچوں سے بھی مل سکیں اور اسی طرح مزار اقبال پر بھی حاضری دے سکیں جگن ناتھ آزاد، آل احمد سرور، مولانا صباح الدین عبدالرحمان اور گوپی چند نارنگ اسی طرح دو تین بار لاہور آچکے ہیں۔ اب اگر آپ کی صحت اجازت دے اور آپ لاہور تک سفر کرنے کے لیے تیار ہوں تو مجھے ضرور تحریر کیجیے گا تاکہ آپ کو لاہور مدعو کیا جاسکے۔

میری نظروں سے کتاب خدوخالِ اقبال نہیں گزری۔ البتہ میں نے اُس کے متعلق سُن رکھا ہے۔ حضرت علامہ اقبال کے کردار کو مسخ کرنے کی ایسی کوششیں ہندوستان اور پاکستان میں ہوتی رہتی ہیں لیکن اُن کا نوٹس نہیں لیا جاتا۔ بہرحال اگر آپ اس پر تبصرہ تحریر کریں تو بیشک اُس

کی نقل مجھے بھیج سکتے ہیں اور اگر آپ چاہیں تو اس تبصرے کو یہاں کی اخبارات اور رسائل میں شائع کرایا جا سکتا ہے۔ پاکستان کے ادبا نے اس کتاب میں درج غلط بیانیوں کا جواب دینا ضروری خیال نہیں کیا۔ شاید اُن کے نزدیک ایسے لٹریچر کی کوئی اہمیت نہیں۔

عزیزہ منیرہ بخیریت ہیں۔ انہیں، ان کے شوہر اور بچوں کو آپ کا سلام اور دعائیں پہنچا دی گئی ہیں۔ وہ بھی آپ کی دعاؤں کا شکریہ ادا کرتی ہیں اور سلام بھیجتی ہیں

مجھے یہ پڑھ کر سخت تعجب ہوا کہ وہاں کے بعض مسلمان آپ کے پیچھے پڑ گئے ہیں کہ آپ کا حضرت علامہ سے کوئی تعلق نہ تھا اور یہ کہ آپ نے اقبال میدان تعمیر کروا کر لاکھوں روپے ضائع کرا دیے۔ میرے لیے یہ امر مزید کوفت کا باعث ہے کہ ایسا وقت بھی آنا تھا کہ اس ضمن میں آپ مجھ سے تصدیق کرانا چاہیں گے۔ آپ نے لکھا ہے کہ میں اس کی تصدیق کر دوں کہ آپ کا تعلق حضرت علامہ سے رہا تھا یا آپ نے کسی غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ اس مسئلے پر روشنی ڈالوں۔ ایک ایسی بات جو اظہر من الشمس ہو پر کیا روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔ پاکستان میں تو اقبال شناس آپ کو اُن چند برگزیدہ ہستیوں میں شمار کرتے ہیں جن کی حضرت علامہ سے وابستگی تھی۔ مجھے بھی آپ بخوبی یاد ہیں کیونکہ میں بھی جب حضرت علامہ کے ساتھ بھوپال آیا تو آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا۔ جناب سید راس مسعود کے معتمد خاص ہونے کے سبب وہ آپ ہی کو اپنے جگری دوست کی بھوپال میں نگہداشت کے لیے وقف کر دیا کرتے تھے میں نے اس کا ذکر زندہ رُود کی جلدوں میں بھی کر رکھا ہے۔ پھر آپ کے نام حضرت علامہ کے کئی خطوط اقبال نامہ کی جلدوں میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔ اس لیے آپ کو اس ضمن میں میری تصدیق کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کے حضرت علامہ سے تعلق کی تصدیق تو وہ خود آپ کے نام اپنے خطوط میں کر چکے ہیں۔

بھوپال میں اقبال میموریل کے سلسلے میں ہندوستان اور بیرون ہند

کے بڑے بڑے فنکاروں، مجسمہ سازوں اور ادیبوں نے جو تبصرے یا کلمات شائع کرائے ہیں۔ ان تمام کاغذات کی نقلیں بھی مجھے ارسال کیجیے گا جو یہاں کی اخباروں میں شائع کرائے جا سکتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے بھوپال میں بالخصوص شیش محل میں اقبال مرکز قائم کروا کر اور اس کے سامنے اقبال میدان میں مینارِ شاہین تعمیر کروا کر نیز پچاس ہزار روپے کی مالیت کا اقبال ایوارڈ مقرر کروا کر نہ صرف بھوپال کے نام کو تاریخِ ادب میں زندہ جاوید کر دیا یا ہندوستان میں ملتِ اسلامیہ کی خدمت کی بلکہ پاکستان اور ہندوستان کی آپس میں محبت اور دوستی قائم و دائم رکھنے کی ایک ایسی مثال قائم کر دی ہے جس کو آنے والی نسلیں سراہتی رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس خدمت کا مزید اجر دے گا۔ امید ہے آپ بخیریت ہوں گے۔

والسلام
خیر اندیش
جاوید اقبال

نوٹ:-
آپ کا میرے نام خط مؤرخہ ۲۹ جولائی ۱۹۸۶ء اور میرا یہ جواب بھی اقبال اکیڈمی کے رسالے اقبال ریویو میں شائع ہو رہا ہے۔ اس رسالے کی ایک کاپی آپ کو ارسال کر دی جائے گی۔ انشاء اللہ۔

جاوید اقبال

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2005

THE MUSLIM WORLD

A JOURNAL DEVOTED TO THE STUDY OF ISLAM AND OF CHRISTIAN-MUSLIM RELATIONSHIP IN PAST AND PRESENT

Founded in 1911.
Sponsored by Hartford Seminary since 1938.

Offers a variety of articles on Islamic Theology, Literature, Philosophy, and History. Dedicated to constructive inter-religious thought and interpretation. Book reviews. Current notes. Survey of periodicals.

Annual Subscription Rates: Individuals, U.S. $15.00
Institutions, U.S. $20.00

Please make checks payable to *The Muslim World* and mail to
The Muslim World
Duncan Black Macdonald Center
77 Sherman Street
Hartford, Connecticut U.S.A. 06105

Published by
The Duncan Black Macdonald Center
at Hartford Seminary

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved
©2002-2006